

ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ، ۶/۱۰/۱۹۹۱ء، دسمبر ۱۹۹۱ء

ختم قلوب کی حقیقت

امین احسن اصلاحی

خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى
سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ
غِشَاوَةً وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ
اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے
کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی
آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے
عذاب عظیم ہے۔ (بقرہ: ۷)

ختم اللہ: ختم کے معنی عربی زبان میں موم یا مٹی یا کسی اسی طرح کی چیز پر ٹھہر لگانے کے ہیں۔ یہیں سے یہ لفظ خط پر مہر لگانے اور کسی چیز کے منہ کو اس طرح بند کر دینے کے لیے استعمال ہونے لگا جس کے بعد اس میں کوئی چیز داخل ہو سکے اور نہ کوئی چیز اس سے نکل سکے۔

قرآن مجید میں بعض جگہ جب اللہ تعالیٰ کسی فعل کو اپنی طرف منسوب فرماتا ہے تو اس سے مقصود نفس اس فعل کو اپنی طرف منسوب کرنا نہیں ہوتا بلکہ اس قانون یا اس سنت کو اپنی طرف منسوب کرنا ہوتا ہے جس قانون اور سنت کے تحت وہ فعل ظہور میں آتا ہے چونکہ قانون خود اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ ہوتا ہے اس وجہ سے وہ فعل جو اس قانون کے تحت ظہور میں آتا ہے بعض اوقات قانون کے بنانے والے کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے تو یہ مطلب کا یہ استلزام پیش ہوتا ہے کہ عربی زبان اور قرآن مجید میں بھی اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں اسی اسلوب کے مطابق یہاں دلوں پر مہر لگانے کے فعل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے لیکن مقصود اس سے اس سنت اللہ کی اپنی طرف نسبت ہے جو اس نے ہدایت و صلاحیت کے لیے جاری کر رکھی ہے اور جس کے تحت دلوں پر مہر کرنے کا یہ فعل واقع ہوتا ہے۔

یہاں جس ختم قلوب کا ذکر ہے اس کے بارے میں دو باتیں ابھی طرح سمجھ لینی چاہئیں۔ ایک یہ کہ اس ختم سے مراد ختم ظاہری نہیں ہے بلکہ ختم معنوی مراد ہے۔ جہاں تک ظاہری

چیزوں کے دیکھنے، سننے اور سمجھنے کا تعلق ہے یہ لوگ ان کو دیکھتے، سنتے اور سمجھتے تھے لیکن اس شرب کے لوگ اپنی سمجھ بوجھ کی تمام قوتیں اور صلاحیتیں دنیا کے ظواہر و محسوسات ہی تک محدود رکھتے ہیں، ان ظواہر و محسوسات کے پس پردہ حقائق ہیں ان کی طرف نہ تو یہ خود متوجہ ہوتے ہیں اور نہ کسی دوسرے توجہ دلانے والے کی بات پر کان ہی دھرتے ہیں۔ دنیا اور زخارفِ دنیا میں ان کا انہماک اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ کسی اور چیز کی طرف توجہ کرنے کی ان کے اندر گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی۔ یہ اپنی ذہانت و فطانت اسی ایک مقصد پر صرف کرتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آسمان و زمین کا طول و عرض ناپنے میں تو ان کی عقل بڑی تیز ہو جاتی ہے لیکن روحانی اقدار و حقائق کے معاملہ میں وہ بالکل ہی کند ہوتی ہے۔ یہ صورت حال ان کے مذاق کو بھی اس قدر بگاڑ دیتی ہے کہ صرف وہی باتیں ان کو اچھی لگتی ہیں جن سے ان کے اس بگڑے ہوئے مذاق کو غذا ملے۔ جن باتوں سے اس کی حوصلہ شکنی ہو، خواہ وہ کتنی ہی مقول ہوں، ان سے ان کی طبیعت کو وحشت ہوتی ہے۔ اسی صورت حال کو یہاں ختم قلوب کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

دوسری یہ کہ اس ختم قلوب سے یہ مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ان کی ماؤں کے پیٹوں ہی سے ان کے دلوں پر ٹھپے لگا کر پیدا کیا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے اپنی بد اعمالیوں سے اپنے آپ کو اس قدر لگاڑ لیا ہے کہ ان کے دل پیغمبر کی بات سننے اور سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو گئے۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کا تعلق ہے اس نے ہر انسان کو اچھی صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے، اس کو نیکی و بدی کا امتیاز بخشنا ہے اور ساتھ ہی نیکی کو پسند کرنے اور بدی سے نفرت کرنے کا مذاق بھی اس کے اندر ودیعت کیا ہے۔ ان فطری صلاحیتوں سے آراستہ کرنے کے بعد اس نے انسان کو آواز دھڑا رہے کہ چاہے وہ نیکی کا راستہ اختیار کرے چاہے بدی کا۔ آگے چل کر یہی اختیار ہی نیکی یا بدی ہے جو اس کی فطری صلاحیتوں کے بنانے یا لگاڑنے میں اصلی دخل رکھتی ہے۔ اگر انسان نیکی اور بھلائی کی راہ اختیار کرتا ہے تو اس سے اس کی فطری صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو نیکی کی راہ میں ترقی کی توفیق ملتی ہے۔ اور اگر وہ خواہشاتِ نفس کے پیچھے لگ کے راستہ پر چل پڑتا ہے تو پھر آہستہ آہستہ اس کا

فتح قلب کی حقیقت

۱۳

دل برائی کا رنگ بگڑنا شروع کرتا ہے یہاں تک کہ یہ رنگ اس پر اس قدر غالب ہو جاتا ہے کہ پھر اس کے اندر نیکی کی کوئی رت باقی ہی نہیں رہ جاتی یہی مقام ہے جہاں پہنچ کر اللہ تعالیٰ کے قانون کے تحت آدمی کے دل پر مہر لگ جاتی ہے اور اس کا مذاق طبیعت اس قدر بگڑ جاتا ہے کہ اس کی ساری دلچسپی صرف بدی ہی کے کاموں سے باقی رہ جاتی ہے۔ نیکی کے کام کرنا تو الگ رہائی کی باتیں سننے سے بھی اس کو وحشت ہوتی ہے۔

جناں جو قرآن مجید میں یہ بات بار بار بیان ہوئی ہے کہ آدمی کے دل پر یہ مہر اس کے گناہوں کی پاداش میں لگتی ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرْتَوُونَ الْآثَانَ
مِنْ بَعْدِ أَهْلِهِمْ أَنْ تَوْفَّيَهُمْ أَصْبَهُمْ
يَذُوبُ بِهِمْ وَيُطْعَمُ عَلَى قُلُوبِهِمْ
فَهُمْ لَا يَسْتَعِينُونَ
کیا ان لوگوں کو جو انگوٹھوں کے بعد اس دین
کے وارث ہوئے اس بات سے کوئی
سبق حاصل نہیں ہوتا کہ اگر ہم چاہتے تو
ان کے گناہوں کی پاداش میں ان پر بھی آفت
لائے اور ان کے دلوں پر مہر کر دیتے ہیں؟
(اعراف: ۱۰۰)

سننے سمجھنے سے رہ جاتے۔

اس آیت میں اس بات کی صاف تصریح ہے کہ دلوں پر مہر گناہوں کی سزا کے طور پر لگتی ہے۔ دوری جگہ فرمایا ہے:

وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ
فَمَا كَانُوا يَتُوبُونَ إِلَيْهَا كَذَّبُوا
مِنْ قَبْلُ مَا كَذَّبُكَ يُطْعَمُ اللَّهُ عَلَى
قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ۝ وَمَا
وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ
وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفُسِّقِينَ
اور ان کے پاس ان کے رسول کھلی کھلی
نشانیوں کے آئے مگر یہ لوگ ایمان لانے
والے نہ بنے کیوں کہ یہ پہلے سے مجھلاتے
رہے تھے۔ اسی طرح اللہ کافروں کے
دلوں پر مہر کر دیتا ہے ہم نے ان میں
اکثر کے اندر عہد کی پابندی نہیں پائی (بلکہ)
ہم نے ان میں سے اکثر کو بدعہد اور نافرمان
(اعراف: ۱۰۱-۱۰۲)

یعنی اللہ تعالیٰ کے عہد اور اس کے احکام کی خلاف ورزی میں یہ پہلے سے مشاق تھے۔ اس وجہ سے جب ان کے رسول بھی ان کے پاس اللہ کی آیات اور اس کی نشانیاں لے کر آئے تو انھوں نے ان کی بھی کوئی پروا نہ کی جو لوگ حق کی تکذیب میں اس طرح دیدہ دلیر اور ڈھیٹ ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر کر دیا کرتا ہے جس سے ان کی عقل بالکل ہی ماری جاتی ہے۔

اس سے زیادہ وضاحت و تصریح کے ساتھ یہود کے بارے میں فرمایا ہے:

فَمَا أَفْقَهُمْ رَبِّيَّاتَهُمْ وَكَفَرُوا بِرَبِّهِمْ
وَأَلْبَسُوا النَّبِيَّاتِ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ
حَقِّ دَعْوَاهُمْ قُلُوبُهُمْ غُلُفٌ جَلَدٌ
طَعَنَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْكُفْرَ فَلَا
يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا
پس جو اس کے کہ انھوں نے عہد کو توڑا
اللہ کی آیات کا انکار کیا، انبیاء کو ناحق
قتل کیا اور کہا کہ ہمارے دل تو بند ہیں بلکہ
اللہ نے ان کے دلوں پر ان کے کفر کے
سبب سے مہر کر دی ہے تو وہ ایمان نہیں

(نملہ: ۱۵۵) لائیں گے مگر بہت کم۔

مذکورہ بالا آیات سے ایک تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی ماں کے پیٹ سے اس کے دل پر مہر کر کے نہیں بھیجتا بلکہ یہ مہر جس کے دل پر بھی لگتی ہے اس کے گناہوں کے قدرتی نتیجے کے طور پر لگتی ہے۔

دوسری حقیقت یہ واضح ہوتی ہے کہ ہر درجہ کا گناہ وہ چیز نہیں ہے جس کے نتیجے میں کسی کے دل پر مہر لگ جائے، بلکہ کوئی فرد یا کوئی گروہ جب حق کو حق سمجھتے ہوئے، اپنے دل کی گواہی کے بالکل خلاف محض ضد و نفسانیت اور ہٹ دھرمی کے سبب سے اس کی مغالطہ کرتا ہے اور اس مغالطہ پر جرم جاتا ہے تب اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل پر مہر لگ جاتا ہے اور وہ صحیح طور پر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے۔

تیسری حقیقت یہ واضح ہوتی ہے کہ دل کا اس طرح مہر بند ہو جانا اور سمع و بصر کی صلاحیتوں سے اس طرح محروم ہو جانا اللہ تعالیٰ کا ایک عذاب ہے جو اس کی نعمتوں کی ناشکری کی پاداش میں کسی فرد یا گروہ پر اس دنیا میں نازل ہوتا ہے اور اسی عذاب کا فطری نتیجہ وہ عذاب عظیم ہے جس میں اس طرح کے لوگ اس زندگی کے بعد والی زندگی میں مبتلا ہوں گے جہاں نہ زیرِ بحث

آیت کے آخر میں یہ جو فرمایا ہے کہ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے) وہ درحقیقت اسی ختمِ قلوب کے اس قدر قیاسیہ کا بیان ہے جو آخرت میں ظاہر ہوگا۔

ختمِ قلوب کی جو حقیقت ہم نے بیان کی ہے اس کی وہی حقیقت احادیث سے بھی واضح ہوتی ہے۔ ہم طوالت سے بچنے کے لیے صرف ایک حدیث پر یہاں اکتفا کرتے ہیں۔

ان المؤمن اذا اذنب كانت
 نكته سودا في قلبه فان
 تاب ونزع واستغفب صقل
 قلبه وان زادت حتى تعلو
 قلبه فذلک الران الذی
 قال اللہ تعالیٰ کَلَّا بَلْ رَانَ
 عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ۔^{۱۵}

تک کہ ان کی سیاہی اس کے پورے دل پر
چھا جاتی ہے تو بجا وہ رین ہے جس کا
ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کلابل ان
علیٰ قلوبہم ما کالوا یکسیفون اہرگز
نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال
کی سیاہی چھا گئی ہے

سلف صالحین کے نزدیک بھی ختمِ قلوب کی یہی حقیقت ہے۔ ابنِ کثیر نے اعرش کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اعرش کہتے ہیں کہ مجاہد نے ایک مرتبہ ہمیں سمجھایا کہ سلف (صحابہؓ) دل کو اس ہتھیلی کے مانند سمجھتے تھے جب آدمی کسی گناہ میں آلودہ ہوتا ہے تو (انھوں نے اپنی انگلی سکیڑتے ہوئے سمجھایا) دل اس طرح سُکھ جاتا ہے۔ پھر جب مزید گناہ کرتا ہے تو (دوسری انگلی کو سکیڑتے ہوئے بتایا) دل اس طرح بچھ جاتا ہے اسی طرح تیسری انگلی کو سکیڑا۔ یہاں تک کہ یکے بعد دیگرے تمام انگلیوں کو سکیڑ دے گا کہ اس طرح سُکھ جاتا ہے تو اس

پر مہر کر دی جاتی ہے۔ مجاہد نے بتایا کہ سلف (صحابہؓ) اسی چیز کو وہ رین قرار دیتے تھے جس کا ذکر کَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمُ اللَّآئِمِیں آیا ہے۔

ختمِ قلوب کی اصل حقیقت واضح ہو جانے کے بعد ہمیں جبر و اختیار کی اس بحث میں پڑنے کی ضرورت باقی نہیں رہی جو اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان برپا ہے اور جس میں یہ حضرات بے ضرورت اس آیت کو بھی گھسیٹ لے گئے ہیں۔ قرآن مجید نہ تو اس جبر ہی کے حق میں ہے جس کے مدعی اشاعرہ ہیں اور نہ اس اختیار ہی کے حق میں ہے جس کے علم بردار معتزلہ ہیں بلکہ حق ان دونوں کے درمیان ہے۔ لیکن یہ مقام اس مسئلہ کی تفصیلات کے لیے موزوں نہیں ہے۔ ہم صرف چند اصولی باتیں یہاں بیان کیے دیتے ہیں جو ان لوگوں کے لیے انشاء اللہ کفایت کریں گی جو اس مسئلہ پر مبہم قسم کے تعصب سے بالاتر ہو کر صرف علمی ذہن کے ساتھ غور کریں گے۔ یہ اصولی باتیں مندرجہ ذیل ہیں :-

۱۔ مبداءِ فطرت سے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اچھی فطرت پر پیدا کیا ہے، اس کو نیکی و بدی کا امتیاز بخشا ہے اور ان میں سے جس کو بھی وہ اختیار کرنا چاہے اس کو اختیار کرنے کی اس کو آزادی ہے۔ اس کے بعد اس کا نیک یا بد بننا اس کے اپنے رویہ اور توفیق الہی پر منحصر ہے اگر وہ نیکی کی راہ اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نیکی کی توفیق بخشتا ہے اور اگر وہ بدی کی راہ پر جانا چاہتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ اگر چاہتا ہے بدی کی راہ پر جانے کے لیے بھی چھوڑ دیتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ بن جبر وں پر انسان کا مواخذہ کرے گا یا جن پر اس کو اجودے گا ان کے لیے اس نے انسان کو اختیار و ارادہ کی آزادی بھی بخشی ہے۔ جو لوگ اس اختیار و ارادہ کے حامل نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو مواخذہ سے بھی بری رکھا ہے۔ یہ اختیار و ارادہ انسان کا ذاتی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کا عطا کردہ ہے اور اس کا استعمال بھی انسان اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی کے تحت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت اور حکمت کے تحت انسان کے جس ارادہ کو چاہے پورا نہ ہونے دے البتہ اگر وہ اپنی کسی حکمت کے تحت اس کے کسی نیکی کے ارادہ کو پورا نہیں ہونے دیتا تو اس نیکی کے اجر سے اس کو محروم نہیں کرتا۔ اسی طرح اگر اس کے کسی بدی کی اسلیم کو پانچیل

ملک پہنچتے نہیں دیتا تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ اس کے اخروی خمیازہ سے بھی لانا اس کو بری قرار دے دے۔

۳۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کی مطلق مشیت کا بیان ہوا ہے اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ اس کی مشیت کو اس کے سوا کوئی دوسرا روک یا بدل نہیں سکتا۔ یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کی مشیت سرے سے کسی عدل و حکمت کی پابندی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ عادل اور حکیم ہے، اس کا کوئی کام بھی عدل اور حکمت سے خالی نہیں ہوتا اس وجہ سے جہاں کہیں بھی اس نے اپنی مشیت کو بیان فرمایا ہے اس کو اس قانونِ عدل و حکمت ہی کے تحت سمجھنا چاہیے جس کے تحت اس نے اس دنیا کے نظم کو چلانا پسند فرمایا ہے۔ یہ خیال کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ اپنی جو سنت اس نے خود جاری کی ہے اور جس قانونِ عدل کو اس نے خود پسند فرمایا ہے اپنی مشیت کے زور سے خود ہی اس کو توڑے گا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس پر ہدایت و ضلالت کے لیے اس نے عدل و حکمت کا کوئی ضابطہ سرے سے مقرر ہی نہیں کیا ہے، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ ہدایت و ضلالت اس سنت کے مطابق واقع ہوتی ہے جو اس نے ہدایت و ضلالت کے لیے مقرر کر رکھی ہے اور کوئی دوسرا اس سنت کے توڑنے یا بدلنے پر قادر نہیں ہے۔

۴۔ قرآن مجید میں بعض افعال اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمائے ہیں لیکن ان سے اصل مقصود، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے، ان افعال کی نسبت نہیں ہے بلکہ ان ضابطوں اور ان قوانین کی نسبت ہے جن کے تحت وہ افعال واقع ہوتے ہیں چونکہ وہ ضابطے اور قواعد خود اللہ تعالیٰ ہی کے ٹھہرائے ہوئے ہیں اس وجہ سے کہیں کہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے تحت واقع ہونے والے افعال کو بھی اپنی طرف منسوب کر دیا ہے۔ مثلاً فرمایا ہے فلما زلزلنا الارض زلزلاً عظیماً (اور ہم نے ان کے دل اور ان کی آنکھیں الٹ دیتے ہیں) اس طرح کے مواقع پر عموماً قرآن مجید میں وہ اصول بھی بیان کر دیا جاتا ہے جس کے تحت وہ فعل واقع ہوتا ہے مثلاً اس طرح کی کوئی بات کہہ دی

جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نہیں گمراہ کرتا مگر فاسقوں کو۔ ان اشارات کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ قاری اصل حقیقت کی طرف متوجہ ہو جائے اور ظاہر الفاظ سے کسی مغالطہ میں نہ پڑ جائے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کا ازلی وابدی اور محیط کل علم، اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی سنتوں میں سے کسی سنت کی نفی نہیں کرتا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ وہ ہر شخص کے متعلق ازل سے یہ جانتا ہے کہ وہ ہدایت کی راہ اختیار کرے گا یا ضلالت کی لیکن اسی کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ ہدایت یا ضلالت کو اسی سنت اللہ کے مطابق اختیار کرے گا جو ہدایت و ضلالت کے لیے اس نے مقرر کر رکھی ہے۔

ان اصولی باتوں کو جو شخص پیش نظر رکھے گا وہ انشاء اللہ ان بہت سی الجھنوں سے آپ سے آپ نکل جائے گا جو جبر و اختیار کے معاملہ میں قرآن مجید کی پیدا کردہ نہیں بلکہ مشکلیں کی مویشگانوں کی پیدا کردہ ہیں۔

(تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور ۱۱۰-۱۱۵)

حوالہ

۱۔ تفسیر ابن کثیر، ۱/۴۶ بحوالہ ترمذی، سنائی وابن ماجہ۔ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۰ھ
۲۔ ۱۹۸۰ء

ایجنسی کی صورتیں

ششماہی علوم القرآن یک علمی و دینی رسالہ ہے
اس کی ترویج و اشاعت میں تقریباً کار خیر ہے

۱۔ ششماہی علوم القرآن کی کم از کم پانچ کاپیاں لینے پر ایجنسی دی جاتی ہے۔
۲۔ پانچ سے بیس کاپی تک ۲۵ فیصد، ۲۰ سے ۳۰ کاپیوں تک ۳۰ فیصد اور ۳۰ سے زائد کاپیاں خریدنے پر ۳۵ فیصد کمیشن دیا جاتا ہے۔
۳۔ مطلوبہ کاپیاں بذریعہ وی۔ پی روانہ کی جاتی ہیں اور پکنگ و ڈاک اخراجات ادارہ کے ذریعہ ہوتے ہیں۔

۴۔ مطلوبہ کاپیوں کی تعداد میں اضافہ کے لیے ادارہ کو مطلع کیا جائے گا۔
۵۔ مطلوبہ کاپیوں کی تعداد میں اضافہ کے لیے ادارہ کو مطلع کیا جائے گا۔